

# ضمیریات

سید ضمیر جعفری<sup>(۳۲)</sup>

## ”مسدس بد حالی“

سیاست کا ہر پہلو اس لڑ رہا ہے  
یہاں لڑ رہا ہے وہاں لڑ رہا ہے  
بیاں کے مقابل بیاں لڑ رہا ہے  
حساب دل دوستان لڑ رہا ہے  
ستارہ نظر نہ جبین لڑ رہے ہیں  
یہ حد ہے کہ پردہ نشین لڑ رہے ہیں  
مزاجوں میں یوں لیڈری آ گئی ہے  
کہ گھر گھر کی اپنی الگ پارٹی ہے  
کوئی شیر ہے تو کوئی اومڑی ہے  
یہی اپنی لے دے کے انڈسٹری ہے  
نہ منزل نہ جاوہ نہ کوئی ارادہ  
رضا کار کم یاب لیڈر زیادہ  
اگر گھر میں ہیں خیر سے چار بھائی  
تو اک اک نے ڈنگلی الگ ہے اٹھائی  
چھٹی ہے سیاست کی پتلی چٹائی  
پہر تخت پوش و پہر چارپائی  
سلیٹی کوئی، توتیائی ہے کوئی  
کوئی سرخ ہے، فاختائی ہے کوئی  
جلوس اور جلسے پہ حکمران ان میں  
فسادہ فتن کے ”نمک خوار“ ان میں

بچا مستقل جوت بیزار ان میں  
 ”یونہی چلتی رہتی ہے تلوار ان میں“  
 جو زندہ مہینا تو مردہ مہینا  
 یہ کیا زندگی ہے نہ مرنا نہ جینا  
 ملوں‘ پرہٹوں‘ کارخانوں کے جھڑے  
 سیاست کے ”نودولتوں“ کے جھڑے  
 زبانوں‘ بیانوں‘ ترانوں کے جھڑے  
 فسانوں‘ ہم داستانوں کے جھڑے  
 سرخوان لقمہ اٹھانے پہ جھڑا  
 وہ جھڑا کہ ہر دانے دانے پہ جھڑا  
 حقائق کے آثار دھندلانے والے  
 جرائم میں شہ سرخیاں پانے والے  
 یہ ہر قول دے کر مکر جانے والے  
 یہ ہر ”میز کرسی“ پہ مر جانے والے  
 بیاباں کو صحن چمن جانتے ہیں  
 قیادت کو خوراک تن جانتے ہیں  
 کیس گم شدہ ہیں‘ مکاں لڑ رہے ہیں  
 زمیں چپ مگر آسماں لڑ رہے ہیں  
 خود اپنی صفوں میں جواں لڑ رہے ہیں  
 کہاں لڑنے والے کہاں لڑ رہے ہیں  
 فسادات کی سرخیاں اور بھی ہیں  
 ”مقامات آہ و نغاں اور بھی ہیں“

مقاصد کو زبرد زبرد کر کے لڑنا  
نتائج سے قطع نظر کر کے لڑنا  
سنان و تہمتیں کر کے لڑنا  
اگر کر کے لڑنا مگر کر کے لڑنا  
کہیں دو ”ڈیرے“ جو لڑ بیٹھتے ہیں  
تو سارے ”بیٹھے“ بکڑ بیٹھتے ہیں  
امامت کے حق مدعی جنگ و تر میں  
سیاست میں دانش میں فکر و نظر میں  
مقام ان کا اونچا ہے نوع بشر میں  
کہ رہتا ہے اکثر فساد ان کے گھر میں  
ہوں کی غلامی شکم کی خدائی  
گلا کاٹ دیتا ہے بھائی کا بھائی  
مقدور میں بھوک اور گرد سفر ہے  
بھیرا اگر ہے تو ”نٹ پاتھ“ پ ہے  
نہ کھانے کو روٹی نہ رہنے کو گھر ہے  
گزر زندگی کا سر رنگور ہے  
وہ مردہ پڑا ہے یہ گمائل پڑا ہے  
سرماء حل مسائل پڑا ہے  
دفاتر کا آئین و دستور رشوت  
حی دست لوگوں سے بھرپور رشوت  
وہی ہمیش توفیق و مقدور رشوت  
جوانی پ ہے ”چشم بدور“ رشوت

عجب حرص دولت کا یہ رقص و رم ہے  
 کہ جیسے ضرورت بہت وقت کم ہے  
 مہاجر کی آبادکاری پہ رشوت  
 وساور کی "طیسنداری" پہ رشوت  
 الیکشن کی امیدواری پہ رشوت  
 وزارت کی "نہروردگاری" پہ رشوت  
 جو سائل اصولی مثالی رہے گا  
 وہ بھرپور دنیا میں 'خالی رہے گا  
 مکانوں کی آرائشیں بڑھ گئی ہیں  
 کینوں کی آسائشیں بڑھ گئی ہیں  
 خیانت کی گنجائشیں بڑھ گئی ہیں  
 کہ بیگم کی فرمائشیں بڑھ گئی ہیں  
 صدیں کچھ ورائے گماں اور بھی ہیں  
 "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"  
 امیر اپنے آرام فرمانے والے  
 ہر اک ساحل نو پہ رقصانے والے  
 مے ناب و برفاب و جھٹانے والے  
 غریبان ملت سے کٹ جانے والے  
 یہ دوری کوئی بے سبب تو نہیں ہے  
 محلے کی مسجد کلب تو نہیں ہے  
 یہ رم اور ری کے بیمار صاحب  
 جوئے اور گھڑوڑ کے یار صاحب

سمور اور ریشم کے مینار صاحب  
 رباط اور روما کے سیار صاحب  
 وہ شیریں دھری ہے یہ وہسکی کھڑی ہے  
 شراب ان کی گھنٹی میں گویا پڑی ہے  
 نہ یہ کارواں میں نہ یہ کارواں سے  
 نہ جانے یہ لوگ آ گئے ہیں کہاں سے  
 جو اپنی زباں میں کہیں کچھ زباں سے  
 تو بس پھڑ پھڑاتے رہیں رایگاں سے  
 حشر اور شیلے تو سب جانتے ہیں  
 مگر میر و غالب کو کب جانتے ہیں؟  
 زمیں وار کاروں کو دوڑانے والے  
 زروال مجروں پہ برسانے والے  
 کلف دار شملوں کو لہرانے والے  
 شک خوار کتوں کو لڑوانے والے  
 لگاؤ ادب سے ہنر سے نہ فن سے  
 دھواں اٹھ رہا ہے دل انجمن سے  
 یہ مانا بشر دیتا بھی نہیں ہے  
 یہ جینا نری ایک سزا بھی نہیں ہے  
 فراغت سے ناروا بھی نہیں ہے  
 حیات بشر دیرپا بھی نہیں ہے  
 مگر دین و ملت کا احساس کچھ تو  
 غریبوں کی ذلت کا احساس کچھ تو

جو جینا ہو تم نہ فہائی کرو تم  
 جو دانا ہو عقدہ کشائی کرو تم  
 غنی ہو تو حاجب روئی کرو تم  
 بڑائی یہی ہے بھلائی کرو تم  
 بڑے شوق سے اپنے جلے مناؤ  
 امیر و غریبوں کے بھی کام آؤ  
 تمنا کر ہر شے کی تجدید کہے  
 تمنا کر فزوں کو خورشید کہے  
 عمل سے نہ جذبے کی تائید کہے  
 بیاں دیجیے اور ترویج کہے  
 طلب یہ کہ دینم میں اونچی ہو ”میشن“  
 عمل یہ کہ جلے میں اک ”ریزیولوشن“  
 نہ منشور اپنا نہ دستور اپنا  
 قدم راہ چلنے سے معذور اپنا  
 مگر شور ہے دور سے دور اپنا  
 گلا کام کرتا ہے بھرپور اپنا

## مر دمومن

(زوج اقبال سے عداوت کے ساتھ)

ہر ”لکھ ہے مومن کی نئی آن --- نئی شان“  
تو لا کبھی ماش --- کبھی سٹھر کبھی کاغان  
بُت خانہ میں اک ایک کو تھا دھوی ایمان  
کعبہ جو بنایا تو نہیں کوئی مسلمان  
سہا ہوا --- ڈبکا ہوا --- حیران، پشیمان  
جیسے کسی کنبوں کے گھر میں کوئی مہمان  
کری پ ہے مومن کبھی مومن پ ہے کری  
ایوان کی زینت کبھی رسوا سر میدان

سید، کوئی مرزا، کوئی راجہ، کوئی راؤ  
لاؤ ڈرا دیکھوں تو کوئی صرف مسلمان  
مٹا ہے تو اس کاٹھ کا مٹا ہے کہ الحق  
حیران ہے اسلام تو قرآن --- پریشان  
افر ہے تو اس ٹھانڈے کا افر ہے کہ جیسے  
اک چیز ہے بالا تر نسل بنی انسان  
تاجر ہے تو اس جونجھ کا تاجر ہے کہ اکڑ  
ایمان کو بھی تول کے رکھ دے سر میزان  
مفتی ہے تو تکفیر سے بھوئی بھوئی نکسیر  
شاعر ہے تو بس عذرا و سلمیٰ کا عدی خوان



لیڈر ہے تو اس شور کا لیڈر ہے کہ گویا  
 مامورِ مَنّ اللہ ہے وزارت پہ یہ طوفان  
 دل اس کا ہے پنجابی و بنگالی و بعدھی  
 گھر اس کا بخارا نہ سمرقند نہ ملتان  
 ”سلطانی مَہمور کا آتا ہے زمانہ“  
 لو دست و گریبان ہے سُبحان سے رمضان  
 وحشت تو فرنگیِ مدینت سے مُسلم  
 گھر آنے کی توفیق نہ ارمان نہ سامان  
 میری و وزیری و سفیری و امیری  
 یہ ”چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان“



نظر کی عیب جوئی دل کی ویرانی نہیں جاتی  
یہ وہ صدیوں کی عادت ہے یہ آسانی نہیں جاتی  
مسلمانوں کے سر پر خواہ ٹوپی ہو نہ ہو، لیکن  
مسلمانوں کے سر سے بُوئے سلطانی نہیں جاتی  
یہ اچھی فقر و استغنا کی صورت ہے معاذ اللہ  
کہ پوری قوم کی صورت ہی پہچانی نہیں جاتی  
”خداوند یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں“  
کہ پیدا ہو گئے ہیں اور حیرانی نہیں جاتی  
جہاں تک کثرتِ اولاد نے پہنچا دیا اس کو  
وہاں تک بندہ پرور نسلِ انسانی نہیں جاتی  
یہی جمہوریت کی مغربی معراج ہے شاید  
کہ اب ہم سے خدا کی بات بھی مانی نہیں جاتی  
مجرد آرٹ کی شہکار عورت بھی عجب شے ہے  
جو اس کو دیکھ لو پہروں پشیمانی نہیں جاتی

## سڑک چل رہی ہے

ہر قدم کی اپنی اپنی چال ہے  
آدی گودھا ہوا ٹٹ بال ہے  
خستہ و برگشتہ و بد حال ہے  
یہ ہماری پیاری اصغر مال ہے  
چہرہ بگلوں کا بظاہر لال ہے  
چھ سے دیکھو تو پتلا حال ہے  
اپنے اپنے پتھروں کی جھیل ہے  
اپنی اپنی منکھیوں کا ٹال ہے  
بھگتیں اس پر چھٹا جاتی ہیں روز  
جس کے گھر میں جتنا جتنا مال ہے  
گھر کی ہر نالی بتا دیتی ہے روز  
آج گھر میں گوشت ہے یا دال ہے  
زید کی دلیر پر جو چیز تھی  
یہ جبر کا ”بمۃ اعمال“ ہے  
غز گڑھوں کا اک علی گڑھ ہر طرف  
ہر گڑھا تاریخ ماہ و سال ہے  
آدی سے بڑھ کے اصغر مال پر  
بھینس کا گوبر بلند اقبال ہے

# پرس گُل اندام

(ملتان سے بھی ایسے نثران کی طرف سے آموں کے تحفے پر)

آم جو میرے نام بھیجے ہیں  
کتنے شیریں پیام بھیجے ہیں  
لطف و لذت کے صبح و شام آئے  
آم آئے کہ مے کے جام آئے  
جشن برپا ہے خاص آموں کا  
رنگ نکھرا ہماری شاموں کا  
دن کو گھر میں سرود کا میلا  
شب کو اول پہ موج کا میلا  
کیف جس سے اُمنگ پیدا ہو  
رنگ جس سے ترنگ پیدا ہو  
مہ دھوؤں کو رکھلا کے کھائے ہیں  
چاندنی میں بلا کے کھائے ہیں  
قد میں یہ سبھل مٹھاس کہاں؟  
شہد میں یہ کنول کی باس کہاں؟  
ان کی خوشبو، سر نسیم بہار  
مہک اُٹھا ہے نِطّہ پوٹھوہار  
آم اور برشکل کھی راتیں  
آم اور نحسِ یار کی باتیں  
اُو اے دوستو کہ میرے پاس

سوم ریں کے ہیں سر بہ نمر گلاس  
 گدگدے، شوخ، کچکھاء یہ آم  
 سارے آموں کے بادشاہ یہ آم  
 ہوں گے اس شے کے شائق و طالب  
 باغ رضوان میں حضرت غالب  
 شال دھانی بھی رعفرانی بھی  
 کیف بھی، حسن بھی، جوانی بھی  
 خواہ خوشنمی ہیں، خواہ پیوندی  
 ہم لذت، تمام خورسندی  
 غمگھلیاں، چشم مرغ و ماہی ہیں  
 آم کی سرسری گواہی ہیں  
 جسم نازک میں کوئی تار نہیں  
 تار ہے بھی تو خاردار نہیں  
 چُھب منوہر ہے، شکل پیاری ہے  
 رکشت کاری میں دستکاری ہے  
 زوئے نقشیں پہ تازگی کی بھین  
 جان شہریں میں اک سنہرا پن  
 تن پہ باریک، دل نقشیں جھلکا  
 جیسے ریشم ”ولایتی“ بل کا  
 کوئی ممتاز خانوادہ ہے  
 جو بھی دانہ ہے شاہزادہ ہے  
 جانے کس نام سے ہیں یہ بدنام

میں کہو گا — ”پرس ٹھکل اندام“

مازہ روزِ سندھ میں یہ آم

فاتحِ ملکِ دہد میں یہ آم

ساتھ ان کے بہِ حسن و زیبائی

یارِ آں یارِ دل نوازِ آئی

۱۹۶۸ء

## پرائی موٹر کا چرکا

منقرض مزاح نگار نذیر احمد شیخ کی نذر جن کی موٹر ایک عرصے تک یاروں  
کی سواری کے لیے وقف رہی۔

دوست بدخمن ہیں کہ اُن سے بدگماں رہتا ہوں میں  
ماہ و مہر و مشتری کے درمیاں رہتا ہوں میں  
کیا بتاؤں دوستوں کو اب کہاں رہتا ہوں میں  
شیخ کو شب رنگ موٹر میں رواں رہتا ہوں میں  
دوستوں سے ترک ربط دوستانہ ہو گیا  
ہوتے ہوتے میں ضمیر خائبانہ ہو گیا  
میں یہ کہتا ہوں کہ مصری خان ہو گا ٹال پر  
وہ یہ کہتا ہے میاں اقبال ہو گا مال پر  
میں یہ کہتا ہوں کہ چل مرغابیوں کے تال پر  
وہ یہ کہتا ہے کہ لہرا دیکھیے ”فٹ بال“ پر  
میں یہ کہتا ہوں سفارش کے لیے تھانے کو چل  
وہ یہ کہتا ہے کہ خارش ہے شفا خانے کو چل  
میں یہ کہتا ہوں کہ راول کی طرف لے چل مجھے  
وہ لے جا تا ہے سوئے مشہد و موصل مجھے  
میں یہ کہتا ہوں ذرا فطرت کے دو اک پل مجھے  
وہ یہ کہتا ہے محمد خان ہے افضل مجھے  
کیا کروں حالات کو اوقات پر قابو نہیں  
اندریں حالات اپنی ذات پر قابو نہیں

جب سے ارزاں ہو گئی یہ ”کار“ بے دام و درم  
 کوچہ و بازار میں چلنے سے گھٹ جاتا ہے دم  
 سیل انبوہ بشر؟ کوچے میں دریا ، کو میں ہم  
 ران پر خیلے کا پیا ، کان پر تانگے کا ہم  
 گھر سے تو اکثر بہ قصد دوستاں آتا ہوں میں  
 پھر جدھر موڑ چلی جائے چلا جاتا ہوں میں  
 وہ قدم چلنا ہوا دشوار یارو کیا کروں  
 حوصلہ کم فاصلہ بسیار یارو کیا کروں  
 بن گئی رفتار ہی دیوار یارو کیا کروں  
 وہ بھی ہیں میری طرح شاید اسی اوبار میں  
 پھ رہی ہیں آج جو قومیں ”پرانی کار“ میں

.....۱۹۵۸ء



کر دیا اس کار نے بے کار، بیمار و کیا کروں



قیمت ہے تری خوش چہرگی اور سادگی اپنی  
کہ ان چیزوں سے رہتی ہے طبیعت روحانی اپنی

زراہِ دل نوازی ہے برہمن دوستی اپنی  
سیاست میں نہیں کوئی وصیت آکری اپنی

عبوری دور میں اس طرح گزری زندگی اپنی  
نہ محکمِ مہری اپنی، نہ بچی فوکری اپنی

پریشان ہی نہ کر دے وحدتِ ملی کا شیرازہ  
خدا کے گھر کی دیواروں میں یہ صورت گری اپنی

ادھر مرغانِ صنعت باہگ دنیا بھر میں دے آئے  
ادھر انڈوں سے نکلی ہی نہیں ”انڈسٹری“ اپنی

ہماری کشتِ پرہم تھی مگردو چار قسطوں میں  
غنائفِ پی گئے ہم آپ ہی ساری نمی اپنی

مجھے وہ علمِ صنمِ اک خطِ ناکشیدہ فلسفی سمجھے  
چلو اچھا ہوا، کام آگئی آوارگی اپنی

ضمیران سے سخن اپنی زباں میں کر نہیں سکتے  
بیانِ حالِ دل کیا ہو، نہ ”کا“ اپنا نہ ”کی“ اپنی

۱۹۸۲ء

## معذرت نامہ

محبی مولوی محمد سعید، ایڈیٹر روزنامہ ”پاکستان ناٹمز“ راولپنڈی کے  
فرزند کی شادی کے دعوت نامے کے جواب میں

سعید محترم نے اب کے اتوار  
رجایا مجھے بیٹے کا ولیمہ  
مجھے بھی یاد فرمایا انہوں نے  
توراہ لطف اخلاقی قدیمہ  
بہت جی چاہتا تھا حاضری کو  
پاس ربط اخلاص قدیمہ  
لہک کر شعر پڑھتے اور کہاتے  
چلاؤ۔ قورمہ، مرغاب و قیر،  
سفر سرآمد آیا کوئے کا  
اسی دن اور ہے خط مستقیمہ  
مبارک ہوں انہیں بچوں کی خوشیاں  
دما نکلی یہ از قلب صمیمہ

۱۹۶۸ء

## فوارٹ منرو

صدیوں کی یہ ویرانی، یہ ریگ بیا بانی  
میلوں میں نہیں دانہ، کوسوں میں نہیں پانی  
فطرت کے ”مقابلہ“ کی کرتا ہے جگہبانی  
یا بندہ صحرائی یا مرد مہستانی

## اتفاقِ رائے

تختے میں بیوی کو اک ریشم کی ساری لا تو دی  
ساتھ ہی کھینچی عمر شوہر نے لمبی ہائے بھی  
اس پہ بیوی نے فردہ رنگ شوہر سے کہا  
کتنا بے معنی ہے ایسا اتفاقِ رائے بھی

## إلزام

پولیس کے ایک سپاہی نے  
اک شخص کو جب ماخوذ کیا  
تو اس کو یہ الزام دیا  
ترا جرم ہے یہ  
اے شخص تو رشوت دینے میں ناکام رہا

## دفتر نامہ

منشی و مہدی و اورنگ و افسر دیکھے  
 و تہائی۔ نصف، چوتھائی سکتے دیکھے  
 اپنی آنکھوں سے بھی خود اپنا منظر دیکھے  
 دور جا کر دیکھے۔ نزدیک آ کر دیکھے  
 لوگ باہر دیکھے، اور لوگ اندر دیکھے  
 اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھے  
 کوئی بیٹا لائے ہے، کوئی بھتیجا لائے ہے  
 کوئی پرمٹ کے کسی چکر میں چکر کھائے ہے  
 صورتِ شام و سحر اک آئے ہے اک جائے ہے  
 ”مزدہ اے جوشِ جنوں زنجیر در کھڑکائے ہے“  
 اک جھوم و ہڑاں، لشکر بہ لشکر دیکھے  
 اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھے  
 جس قدر افسر نگاہِ عدلتِ عسکر میں ہیں  
 حضرت! یہی بطوحا کی طرح چکر میں ہیں  
 مصر میں، ایران میں، لبنان میں بربریں ہیں  
 بعض پیدائش سے ”یو این او“ کے گھنٹا گھر میں ہیں  
 ان کے کالر، ان کے جھانر، ان کے ڈالر دیکھے  
 اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھے  
 ”فائلیں“ آتی ہیں، مر جاتی ہیں اندر ہی کہیں  
 کھا گئی ہے کتنے منصوبوں کو دفتر کی زمیں  
 اس کا شکوہ بے محل ہے اے زبانِ نکتہ چیں

”پالیسی“ ہی اپنی ”درآمد“ ہے ”نہ آمد“ نہیں  
 اپنے تخمینے ذرا نمبر بہ نمبر دیکھیے  
 اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے  
 ہیں یہاں ایسے بھی کچھ مہروں فطرت کے بشر  
 ”چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر“  
 غنہ آتی ہی نہیں رشوت کی دھن میں رات بھر  
 یہ جہلت دیکھ کر یہ قتل ملت دیکھ کر  
 پھر جنہیں پر مسجد و محراب و منبر دیکھیے  
 اک بڑی سرکار کے دفتر کا منظر دیکھیے



## خودی

ہم	ہستے	ہیں	یہ	چند
خودی	ہند	-	خودی	ہند
ہم	سے	اَلَم	عَلَم	لوگ
ہنس	میں		بے	بس
ریل		میں		ہند
خودی	کہاں	سے	کریں	ہند؟

## عبادت

گھٹنوں گر کر - معبر میں  
حمد ترانے گاتے جاؤ  
خلق و تپاک سے بچتے بچتے  
کچھ ..... بارود بچاتے جاؤ

## قبر کتبے

(۱)

ایک شاعر ہے یہاں مصروف خواب  
جس پہ تھے اسرا قدر بے حجاب  
آستیں میں مہتاب و آفتاب  
اس نے اپنے ذہن سے

### لفظ سے

اک خدا کی ذات سے قطع نظر  
ہر کسی پر بر ملا تنقید کی -----  
بے احتیاج تنقید کی  
حضرت یزداں بھی محض  
انفاقاں بچ گئے  
کیوں کہ رب دھرا سے آپ کی  
صاحب سلامت ہی نہ تھی  
واقفیت ہی نہ تھی

یہ ہے لڑے جیک کی قبر  
 کندہ جس پر آپ صبر  
 جسما نازک ہزم نجیف  
 قسما ، قوفا بڑا ظریف  
 ڈربا کے بازاروں میں  
 جوتے پالش کرتا تھا  
 لوگ ہوئے ریتار جب  
 بھر گیا ”ڈربا شاعر“ جب  
 مہنگے ہو گئے ”تار“ جب  
 گونگے ہو گئے شاعر جب  
 لڑے صحنے پنشنروں کے سر کی پالش کرتا تھا  
 اب بھی گویا ایک طرح کے جوتے پالش کرتا تھا  
 (انگریزی سے)..... ۱۵ اگست ۱۹۸۲ء

اسلام آباد کی محد وادوبی انجمن ”سلسلہ“ کی تیسری سالگرہ پر... ممتاز شاعرہ محترمہ آغا جعفری اس کی بانی تھیں اور محترم قد رت اللہ شہاب



قورمے ۛ قلم آزمائی ہوئی  
 اس بہانے عمر خوش نوائی ہوئی  
 چند جگنو تو شب میں چمکتے رہے  
 شام احباب کچھ تو حنائی ہوئی  
 اک برس سلسلہ اور چلتا رہا  
 سوچے تو بڑی کاروائی ہوئی  
 غیبت و جک ہنائی کے ماحول میں  
 کیا یہ کم ہے یہاں..... گھر ہنائی ہوئی

PIAF

اسم:.....

طی پو کے کے

میں نے ثابت کر دیا ہر طور ہر آئین سے  
آئی تھی اردو زبان کا بل کے رستے چین سے  
کوئی پورس ہی سکندر کے فسانے میں نہیں  
اس سے پہلے ہو تو ہو اس کے زمانے میں نہیں





## ہاں اور نہیں

[امریکی طنز نگار اوڈگن ناش کی نظم "YES AND NO" کا عکس]

کاش میں ہوتا سیاسی کارکن  
ابتداء میں کارکن  
بعد میں..... دو چار ہڑتالوں کے بعد  
افسروں کے ساتھ پڑتا لوں کے بعد  
فرد سے بظلم جلیل  
اک زعمیم خوش لباس و خوش کلام  
کا ٹکڑے میں صبح..... مے خانے میں شام  
قصر ایضاً، میں سے پہری نقل خاص  
صدر امریکہ کا کے ساتھ  
گردن مینا پے ہاتھ  
ناشتہ بھی گاہ گاہ

واہ واہ

چمن کے منتقوش آئینوں کے چہندہ گلاس  
مانجر کے زرد امروہوں کی ساس  
گردش عالم کے ساتھ  
گردش آدم کے ساتھ  
کتنا خوش..... کس قدر آسودہ حال  
مقتدر..... فرخندہ خاطر..... بامراد  
ہاں مگر!  
ہاں اگر!



تجھ کو ہوا کاش اپنے آپ پر کچھ اعتماد  
(نویارک)..... ۶ ستمبر ۱۹۸۱ء

## نسخہ

نوازش ہر شے صحت کا یارو  
ابھی مضبوط ہے اپنا ارادہ  
ہے نسخہ تندرستی کا یہ سادہ  
مشقت کم مگر سونا زیادہ

## تسلل

صبح دم بھی معطر  
مدقوں سے ہوتا ہے  
بابا جان کھانستے ہیں  
پیٹا رام سوتا ہے

## قوی لباس

افرنگیوں کے جاکٹ و پتلون و جین میں  
عبدالودود کا ہے کو عبدالودود تھا  
ڈھانچا اب ”مچکوں“ نے عیوب برہنگی  
”ورنہ وہ ہر لباس میں نیچا وجود تھا“



دوستوں آئیے کام کوئی کریں  
کچھ نہیں اور تو عیب جوئی کریں



ہمارے مسائل کو آسان کر  
پر زلف کو یارب مسلمان کر



کون ہے پکا جیون سنگی  
منجے پنشنروں کی سنگتھی



اک شیر سے ہمارے بھی دو ہاتھ ہو گئے  
انجام یہ ہوا ہے کہ اک ہاتھ رہ گیا

## ایک ڈپٹی کمشنر کی ڈائری سے

آج چھیڑی ہی تھی اک بوجھل سی بوسیدہ اپیل  
میں رہے ہیں جس کی رزاتی پہ دو سوٹے وکیل  
آگیا اتنے میں اوپر سے بڑا ارجنٹ چڑ  
جس میں لکھا تھا کہ ”اے ڈپٹی کمشنر ہوشیار“  
وہ وزیران گرامی آ رہے ہیں دفعتاً  
تم پہ لازم ہے ابھی روشن کرو دشت و دمن  
ساتھ ان کے شمین بھی ہے، جیم بھی ہے، میم بھی  
غیر ملکی ماہروں کی گشت والی ٹیم بھی  
کچھے ان کے قیام محترم کا اہتمام  
دور تک ہوشامیانوں کا مجلہ انتظام  
طبع نازک بھی نصیب دشمنان ناخوب ہے  
آج کل بخنی پرندوں کی فقط مرغوب ہے  
بہر عرض شوق جتنے بھی ’وڈیرے‘ آئیں گے  
یہ ’وڈیرے‘ اپنے ڈیرے سے بٹیرے‘ لائیں گے  
مسجد جامع میں پڑھوائی ہے اک پبلک نماز  
لیکن اپنی اپنی صف میں ہوں گے محمود و ایاز  
بہر صاحب سے بھی رسم و راہ پیدا کچھے  
جس طرح بھی ہو کوئی درگاہ پیدا کچھے  
خوش عقیدہ نوٹروں میں ٹیک نامی کے لیے  
ٹوگڑے کی قبر سج جائے سلامی کے لیے

کم سے کم چالیس کھوڑے بھی فراہم کیجیے  
اس علاقے میں اگرچہ کم ہیں تاہم کیجیے  
کام یہ ہے قوم کو پیغام دینے آئیں گے  
ایک نئی گائے کو انعام دینے آئیں گے

پاکے اس معقول و مربوط و منسل تار کو  
میں نے پھر بندھوا دیا فائل کے اس اخبار کو  
741 کو میلا لائن، ملیر چھاؤنی 1983ء

## ہم آزاد ہیں

فرد ہو یا ملک تنہائی کا یارا بھی نہیں  
بھائی چارے کے بہ جز کچھ اور چارہ بھی نہیں  
ہم نے یہ مانا اکیلے میں گزارا بھی نہیں  
بات ہو جائے کسی سے یہ کوارا بھی نہیں  
ہم محب آزاد ہیں ہم کس قدر آزاد ہیں  
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں  
آج کل دنیا سٹ کر ایک کاخ وکو میں ہے  
اک قدم لاہور میں ہے ایک ٹبکٹو میں ہے  
ہم شکاگو میں دھک سارے ہولو لو میں ہے  
لالہ مصری خان لیکن اپنی ہاؤ ہو میں ہے  
وہ یہ کہتا ہے کہ ہم مردان تر آزاد ہیں  
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں  
آئیے اب گھر میں آزادی کا منظر دیکھیے  
جز بہ جز بکھرا ہوا دفتر کا دفتر دیکھیے  
اپنی صورت اپنے آئینے کے اندر دیکھیے  
شرم آئے گی مگر جان برادر دیکھیے  
ہم تو آزادی سے بھی کچھ بیش تر آزاد ہیں  
ہم زمانے سے بہ انداز دگر آزاد ہیں  
خواب آزادی کی یہ تعبیر سمجھے ہیں ضمیر  
یار ماری چور بازی سنگٹک دار و گیر  
گھات میں بیٹھا ہوا ہے کیا پیادہ کیا وزیر

اپنا اپنا کوئٹن ہے اپنی اپنی جوئے شیر  
بے نیاز امتیاز خیر و شر آزاد ہیں  
ہم زمانے سے ہ انداز دگر آزاد ہیں

152 میکسن روڈ راولپنڈی 28 اکتوبر 1958

## میں رکھوالا

میں رکھوالا  
 اونچی لمبی کھنی والا  
 امن کا بھی قانون کا بھی  
 انگریزی چٹون کا بھی  
 انگلستان کا شاہ زمین  
 اس کے تاج و تخت چ قرباں  
 میرا تن -  
 لوگوں کا دھن  
 تخت چ جو بھی راج کرے  
 بندہ اپنا کاج کرے  
 پرجا بھری کھری میں  
 کھرکی دار کھری میں  
 اجلا صاف لبادہ ہو  
 علم سے ٹھاٹھ زیادہ ہو  
 کلکتے سے لاٹ آئے  
 دو گھوڑے کی لمبی چوڑی چکنی بہو کاٹ آئے  
 باتیں فرفر کرتا ہے۔ "لیس سر۔ لیس سر" کرتا ہے

(بگ ہولڈن سے ماخوذ) 1953ء



## ڈاکٹر کا نسخہ

ڈاکٹر نے اک مریض سے کہا  
غسل آب صاف روزانہ کرو  
بھرن اجلا رہے  
صبح کو تازہ ہوا کھایا کرو  
بیوی نے گھر آ کے شوہر سے کہا  
ڈاکٹر کہتا ہے رم جھم ساریاں پہنا کرو  
بازوں کو پور ٹیک گھٹا کرو  
سردیوں میں ایک لمبا پرسکوں بحری سفر  
بحرا وقتافوس کے بانگے جہاز خاص پر  
گرمیوں میں 'سیرگام برف' میں جایا کرو  
اور جب  
لوٹ کر آیا کرو  
نبض دکھایا کرو

فندق الفج - مسقط - (انگریزی سے ماخوذ)

21 اگست 1984ء

# جشن مسند نشینی

(بنگال کے گورنر سر ولیم گری (FREY) کی ڈیوڑھی میں لٹکانے کے لیے)

حیری مسند کا دن آگیا  
سب سلامی کریں  
دھوم دھامی کریں  
نیک نامی کریں  
ہوں خیانت کی پرچوش تیاریاں  
دھوئیں پیاریاں  
کام کی یاریاں  
ہم اکٹھی کریں شہرہ دیہات سے  
نرم تن بکریاں  
مرغ مای کی سالم کڑاہی چلے  
تاکہ حیری نمائش فروزاں رہے  
تاکہ اپنی ستائش کا سماں رہے  
کار مشکل کریں بھی تو آساں رہے  
یہ نہ سوچا کبھی  
ان غریبوں غلیظوں - مریضوں کے  
تاریک ماحول میں  
مناج زرا جگمگانے سے کیا فائدہ!  
جشن عشرت منانے سے کیا فائدہ!



آگ جب تک جلے نہ جانوں میں  
آج ڈھلتی نہیں ترانوں میں

وعدہ یار جاں فزا ہے۔ مگر  
پھول کھلتے نہیں چٹانوں میں

خواب کے نرم تار کیا ٹوٹے  
تیر بھی مزگے کمانوں میں

آدی بھی تو کیڑیوں کی طرح  
ہٹ گئے تھک تھک خاتون میں

نسل نو کو سدھار نے کے لیے  
مدرسے کل گئے ہیں تھانوں میں

لوگ اب یوں گھروں میں رہتے ہیں  
جس طرح بوتلیں دکانوں میں

بچہ صاحب کی گفتگو سن لی  
کچھ زمینوں کچھ آسمانوں میں

دوستوں کی منافقت جیسے  
کوکو کولا - شراب خانوں میں

ہم نے دیکھا ضمیر صاحب کو  
سرکشیدہ تھے درمیانوں میں

## سہیلی بوجھ پہیلی

اگر پھر کبھی وہ ترے پاس آئے  
انگوٹھا اٹھا کر۔ انگوٹھی بٹھائے  
نہ کھائے نہ گائے  
نہ تجھ کو ہلائے نہ خود کسمائے  
کسی ملک کی اجنبی ریختہ میں

محبت جتائے

نگاہوں سے تم اس کا قد ناپ لینا  
اگر قامت یار چھ فٹ سے کم ہو  
تو پیاری کھلی اسے ہاں نہ کہنا  
کنواری ہی رہنا!

اگر ہونٹ اس کے گلہابی نہیں ہیں  
غرض مند آنکھیں شرابی نہیں ہیں!  
نظر میں سندیے جوانی نہیں ہیں!  
ارادوں کے رخ نیم خوابی نہیں ہیں!  
نہیں ہاتھ اگر اس کے اجلے اچھوتے

کہہ جیتے

نئی برف ہو اپنی کہ مری میں  
ملاحات نہیں، خوش بیانی نہیں ہے!

صباحت کی چھب بھی سہانی نہیں ہے!  
 حائل گلے کی پرانی نہیں ہے!  
 بزرگوں کی کوئی نشانی نہیں ہے!  
 فکر تو ہے تڑپانی نہیں ہے!  
 نظر میں شفق آسانی نہیں ہے!  
 بھرے بازوؤں میں گرانی نہیں ہے!  
 کسی کام کی وہ جوانی نہیں ہے  
 تو پیاری سہیلی اسے ہاں نہ کہتا  
 کنواری ہی رہنا!

اگر ساگ خوش ہو کے کھاتا نہیں وہ  
 منور تو ہے ہسکراتا نہیں وہ!  
 مکمل کبھی ہاتھ آتا نہیں وہ!  
 کسی چیز سے روح رغبت نہ رکھے!  
 نہ بھولوں کو دیکھے!

نہ میووں کو چکھے!

گداز اس کی دھڑکن میں بولے تو کیسے!  
 کہ ایات باہو کے گاتا نہیں وہ!  
 نہ پھیلا عبث اپنی جھولی کو بھولی!  
 تراشے ہوئے سنگ ابیض کے آگے  
 سمٹتا نہیں وہ - ساتا نہیں وہ!  
 تو پیاری سہیلی اسے ہاں نہ کہتا

کنٹواری ہی رہنا!

وہ آئے اور اس کم سخن کے لیے تو  
ٹرالی سے پیالی میں چائے بنائے  
سموے کھلائے

جوار اور جو اور کئی کے دانے  
مشینوں میں چھانے  
بھنے اور بھنائے

مگروہ

نہ دیکھے نہ کھائے  
کوئی روزمرہ کا اخبار لے کر  
سیاسی مسائل کے افکار لے کر

معاشی وسائل کے انبار لے کر  
ترے نرم صوفے میں دھم ڈوب جائے  
(کمر تا قدم۔ کم سے کم۔ ڈوب جائے)  
وہ خود ڈوب جائے تو اس کی بلا سے  
عرب ڈوب جائے عجم ڈوب جائے  
تو اے جان۔ اے میری معصوم روزی!  
یہ سمجھو کہ ہے کوئی مصروف بندہ

امیر ریاست

وزیر وزارت

شہر سیاست

خطیر خطابت

مدیر صحافت

مشیر مشقت

نفیر ثافت

تجیر حامت

کسی مجھے کا دیر و ستر  
’بہتر تہتر‘

کوئی رکن ایوان بالائے ملی  
کہ چوہوں میں ملی  
کوئی پشت ور پشت ممتاز شہری  
طبیعت کا لہری  
کوئی لکھ پتی سیٹھ صابون والا  
کہ دھن بھی ہے کالا تو دل بھی ہے کالا

’نہیں تر نوالہ‘

’کوئی زر نوالہ‘

تو اے جان: اے میری معصوم روزی!  
یہ تم جان لینا  
کہ وہ ہے منکر ہنسن ور  
خود اپنی تہوں کا نہہتہ شتاور  
خیالوں کا خلاق جذبوں کا داور



گھڑی میں ٹیٹھن بور گھڑی میں پشاور

سا کا سمندر

خلا کا مسافر

وما دم قلندر

تو اے جان اے میری معصوم روزی!

اے ہاں نہ کہتا

کنواری ہی رہتا (انگریزی سے)

## کالے چھپرے کا مرثیہ

یہ نظم کراچی ہوا میدان کے قریب ہوائی جہازوں کے وسیع و عریض پہی  
اصطبل کے مسمار کیے جانے پر لکھی گئی۔

یہ بلند و بالا ڈھانچا جو عرف عام میں ”کالا چھپرا“ کہلاتا تھا، کراچی کی  
شاہراہ پر ایک معروف نشان راہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ 1965ء میں  
میریے مکرم دوست کرنل مقبول الہی درویش نے وزارت دفاع کے  
فیصلے کے مطابق اس کو نیلام کیا۔ جن دنوں اس چھپر کی پہنی چوڑی  
اوپنری جاری تھی راقم الحروف ڈرگ روڈ چھاؤنی میں اس کے سایہ  
حافظت میں رہتا تھا۔ (ض)

کالے چھپرے کی جوکل جامعہ دری ہونے لگی  
جعفری کے گھر کے آگے ”چا فری“ ہونے لگی  
برہمی سے شاعری میں نغمگی ہونے لگی  
یعنی اس لوہے سے یہ چاندی کھری ہونے لگی  
اس طرف چھپر کا اک اک تار جاں بچنے لگا  
اس طرف نغموں سے شاعر کا مکاں بچنے لگا  
آہ وہ ”چھپرا“ کراچی کا پرانا مہرباں  
شہر کا مکھڑا سواد شہر کا قومی نشان  
سندھ میں سابق فیصل کشور ہندوستان  
آہن و فولاد میں انگریز کا ”چنگیز خان“  
شام کے صحرا میں وہ گویا چراغ شام تھا  
شہراپنا مصر تھا وہ مصر کا اہرام تھا  
وہ جہازوں کا دیل راہ بلکہ سربراہ

آہ وہ ”پلی آئی اے“ کی ”ہائی وے“ کا بادشاہ  
 کس کو جھکشاؤں سے ڈھونڈے گی مسافر کی نگاہ  
 کون ہوگا اب کراچی کی حقیقت پر گواہ  
 پائیں گی اب کس کی دیواروں کے سائے میں اماں  
 ادھ بسی آبادیوں کی گائیں جہینیں بکریاں  
 قیمتی لوہے کا زنگ آلودہ مینار بلند  
 قصر قیصر بے ضیا سلطان جامد درد مند  
 کھویا کھویا سویا سویا ”رویہ رویہ“ بند بند  
 اپنی اردو شاعری کی طرح جلعاً غم پسند  
 ظرف مالی سے تہی آغوش بھی خاموش تھا  
 فقر و استغنا میں اک درویش کسبل پوش تھا  
 ”کالا پھیرا“ اب پچھرکھٹ سے نکالا جائے گا  
 جو سنبھلنے میں نہ آیا تھا۔ سنبھالا جائے گا  
 سچ ”پیانوں میں“ پر ”پرہیزوں میں“ ڈھالا جائے گا  
 آنے والا آئے گا ”اور جانے والا“ جائے گا  
 زندگی اک ہاتھ آگے کانپتا بلور ہے  
 آدمی دو گام پیچھے ہانپتا مزدور ہے

## بٹگلے کا ڈھانچا

راقم الحروف کو ملازمت کے دوران میں کچھ عرصہ راولپنڈی میں رہیں  
کورس کے فوارح میں ایک مارضی چوبی گھروندے (HUT) میں  
رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس گھروندے کا منظوم احوال ایک نظم میں جو  
’ضمیر کا گھر‘ کے عنوان سے میرے مجموعہ کلام ’ما فی الضمیر‘ میں شامل  
ہے بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم کی پیش کش کے بعد ارباب اختیار کی  
طرف سے ہمیں جس بٹگلے سے نوازا گیا اس کی جھلک ذیل کے اشعار  
میں پیش کی گئی ہے۔ (ضمیر)

ٹین کے چھجوں سے دو کمرے میں بٹگلے ہوئے  
جیسے انڈوں پر ہوں پر مرٹی نے پھیلانے ہوئے  
اک کھلاو ہے جو کھلتا ہے کھلے میدان میں  
گھر میں بھی رہتا ہوں پوری قوم کے گھمسان میں  
پر وہ دیوار تاحد نظر کچھ بھی نہیں  
زیست اس منزل میں جز ذوق سفر۔ کچھ بھی نہیں  
کھیلتے ہیں گیند بلا بھی یہیں مردانہ وار  
لال کرتی کے حنیف و امتیاز و کاردار  
ویدنی ہوتا ہے منظر ضرب تند و تیز پر  
”فیلڈر“ میرے کچن میں گیند میری میز پر  
ماؤں بہنوں بیٹیوں کی طرح پھرتی ہیں یہاں  
چھاؤنی بھر کی سہاگن گائیں بھینسیں بکریاں  
ماجرا کیسے کہوں دیوار و در کے رنگ کا

منہ کو آہنچا کیجے چوب و خشت و سنگ کا  
 یہ مکاں 'یہ مغربی تہذیب کا تخت جگر  
 چہرہ روشن - اندروں چنگیز سے تاریک تر  
 ہم سے پہلے جن کے زیرِ پا تھی یہ 'مغلد بریں'  
 وہ نکل جانے پہ بھی پوری طرح اٹکے نہیں  
 اس کی دیواروں پہ مرغے ہیں 'کواڑوں پر حساب  
 لکھ گئے ہیں ان کے بچے سب سوالوں کے جواب  
 چپا چپا اس مکاں کے استخوان پیر کا  
 نقش فریادی کسی کی کاٹتی تعمیر کا

# نورن کے نام

(شملے سے ایک خط)

شملے کے مناظر دیکھ ڈرا ہر چیز ہے ناموار یہاں  
ہر وضع کا سنت مہنت یہاں ہر قطع کا دنیا دار یہاں  
انسان یہاں انگور یہاں انگیرز یہاں سرکار یہاں  
اوپے اوپے دیودار یہاں ٹیڑھے میڑھے بازار یہاں  
نورن! میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں  
تو آئے تو اس کافر مگرمی کی نئی نئی باتیں دیکھے  
وحدلے وحدلے سے دن دیکھے روشن روشن راتیں دیکھے  
ہر باسی تازے چہرے پر غازے کی کراماتیں دیکھے  
جاگی چپت لاگی راتوں میں من موہن کا رو بار یہاں  
نورن! میری پیار نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں  
کب اپنے منڈی میلے میں شملے کی 'ماں' کے نظارے  
انگریز کی خوش بختی 'خوش وقتی' اور اقبال کے نظارے  
کجرات کی مدھ ماتی آنکھیں 'زلف بنگال' کے نظارے  
پنجاب کے کڑیل مرد یہاں 'دکن کی سلونی' مار یہاں  
نورن! میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں  
اڑتی ہوئی برف کے ریشم پر یہ روپ سروپ اجالوں کے  
چلتے ہوئے جادو نظروں کے تپتے ہوئے تھختے گالوں کے  
چاندی کی چمک میں مدھم مدھم چہرے رکشا والوں کے،  
رکشا کے اندر ایک یہاں 'رکشا' کے باہر چار یہاں  
نورن! میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں

ہر رام سرن، ہر رام چن، ہر دریو دھن ہے شملے میں  
 دلی کا ہر اک اونچا صاحب، مع میم مٹن ہے شملے میں  
 پنجاب سے بھی اک آدھ نوزیر خوش اچکن، ہے شملے میں  
 سجتے ہیں بھرے بازار یہاں، لگتے ہیں بڑے دربار یہاں  
 نورن میری پیاری نورن آتو بھی کبھی اک بار یہاں  
 ٹاٹوں سے نکل کر دیکھ کبھی تو بھی "عسٹھاٹوں" کی بہتی  
 یہ کھیل قماشوں کا میلا، یہ سیر سپاٹوں کی بہتی  
 ویسی سسراٹوں کا رمنا، افزنگی لاٹوں کی بہتی!  
 ہر شام ہے شام بہار یہاں ہر رات شب بیدار یہاں  
 نورن میری پیاری نورن! آتو بھی کبھی اک بار یہاں

دارالسلام۔ (ٹوٹی کنڈی) 1943ء

## الو اور بلبل

دانا                      ہی                      سہی  
 الو                      سے                      نہ                      رائے                      مانگ                      سمجھی  
 منجی                      ہے                      تو                      سن  
 من                      ہانی                      شاخ                      پہ                      جھولتی                      گاتی                      بلبل کی  
 یا                      ہنرہ                      و                      کھل                      میں                      کھلتی                      ہوئی  
 اور                      کھلی  
 ست                      رنگ                      پروں                      کی                      لالی                      سے  
 اس                      بے                      فکری                      دیوانی                      سے  
 مستانی                      کھنٹی                      والی                      سے  
 تجھے                      آس  
 تری                      پیاس  
 تسکین                      سرور                      مٹھاس                      لے  
 جیسے شاعر کے بول کہ من میں جا اتریں  
 اور موز                      کٹھا                      پر چارک                      کی

(انگریز شاعر آسٹن سے ماخوذ) 8 جولائی 1982ء



## الوداع وندان ما

ذیل کے اشعار 'برزخ' کے اس عرصے میں لکھے گئے جب اصلی دانت  
نکلوائے جا چکے تھے اور مصنوعی دانت لگائے نہیں گئے تھے۔ (ض)

رخصت	اے	مرے	اصلی	دانتوں
اصلی	'اصلی		'نسلی	دانتوں
اے	میری		سابق	بتیں
ساتھ	برس	تک	چکی	پیشی
کلچے	'تکے		'آلو	'چھوٹے
گئے	'ہمگندے		'سخت	اور
موٹھ	'مرٹھے		'مرغی	وانے
لڈو	'پیڑے		'مٹر	'کھانے
پان	پرو سے		'چاٹ	کھائی
ہر	موسم	کی	چوگ	چگائی
روٹی	'ہوٹی		'مرغ	'پلا
سر	بکرے	کا	'دھپ	گاؤ
رے	کالے		'ڈھل	تورے
دانت	درانقی		'دانت	ہتھوڑے
لوبا	'پتھر		'سخت	نوالہ
کٹ	کٹ	کترا	'منہ	میں
قصر	شکم	کی	'ڈیوٹی	'کرنا
خالی	کرنا	اور	پھر	بھرنا

بند      دوراڑیں      "تیز"      کٹاری  
 منہ      پھانک      کی      چوکیداری  
 دائیں      بائیں      "ہٹے"      والی  
 ظاہر      سالم      "باطن"      خالی  
 جیسے      جادو      "گر"      کی      تھالی  
 وائے      غفلت      "اف"      نادانی  
 کارگروں      کی      قدر      نہ      جانی  
 اٹھے      "بیٹھے"      "جاگے"      سوئے  
 وارہ      نہ      مانجھی      دانت      نہ      دھوئے  
 دانتوں      سے      تھی      شوہا      ساری  
 بچھ      گئی      چہرے      کی      پھلواڑی  
 لوگ      کرے      ہیں      کاٹا      پھوسی  
 دیکھو      آم      کی      "سٹھلی"      چوسی  
 شکل      ہوئی      جاپانی      اپنی  
 ہنسی      گئے      کشمیری      اپنی  
 بابا      بابا      کہہ      کے      پکاریں  
 "کڑیاں"      کیا      پختہ      نیاریں  
 کون      اب      بیٹھے      "کول"      ہمارے  
 "بچ"      بولو      تو      چوک      بہت      ہو  
 "تھے"      میں      "تھ"      "کم"      "تھوک"      بہت      ہو  
 "ب"      میں      کوئی      "بندوق"      چلے      ہیں  
 "ک"      میں      لمبی      "ہوک"      چلے      ہیں

مسند	شعر	پہ	آؤ	براجے
دانت	ہٹا	اب	تانت	نہ
گیا	ترنم	کا	وہ	فسوں
شعر	پرچوں	تو	شعر	شعر
پیاں	لگی	تو	شاعر	یولا
کو کو کو کو		کو کا		کولا
ہم	یہ	بولے	"چائے"	ہیگم
ہیگم		بولی	"ہائے"	ہیگم؟
ہم	نے	کہا	"روماں"	اٹھاؤ
ہیگم		بولی	"دال"	پکاؤ؟
کچھ	اعضا	منہ	زور	بہت
جسم	کے	اندر	چور	بہت

## دادا جان

اپنے تنہا کمرے میں  
دل ویران نظر سنان  
وہ بیٹھے ہیں دادا جانب

### باسی خبر

اک سیاست دان نے  
اک جریدے کے ایڈیٹر سے کہا  
آپ کے اخبار نے لکھا کہ میں  
اپنے پیندے پر کھڑا رہتا نہیں  
اپنی رائے بر ملا کہتا نہیں  
اس لئے خوش حال ہوں  
کیوں کہ بازار سیاست کا ہکاؤ مال ہوں  
من کے یہ شکوہ ایڈیٹر نے کہا  
ہے عبت مجھ سے گلہ  
یہ ہینچر چیترا ہوگا کوئی  
میرے پرچے میں کوئی باسی خبر چھپتی نہیں

(انگریزی سے) 1983ء



ہم 'نیوٹرل' ہیں خارجہ حکمت کے باب میں  
"نئے ہاتھ باگ پر ہیں نہ پاہیں رکاب میں"  
یوں کانپتا ہے شیخ خیال شراب سے  
جیسے کبھی یہ ڈوب گیا تھا شراب میں  
اس بات پر بھی ہم نے کئی باب لکھ دیے  
جو بات رہ گئی تھی خدا کی کتاب میں  
تقید جام وے تو بہت ہو چکی حضور  
اب کیا خیال ہے غم ہستی کے باب میں؟  
ردوں کی بے ہستی بھی خبردار چیز تھی  
اکثر جھڑ پڑے ہیں حساب و کتاب میں  
لطف اس مشاعرے میں ملا کاک ٹیل کا  
جمنہ کا رس بھی آن ملا ہے چناب میں

یہ اشعار 1953ء میں گارڈن کالج راولپنڈی کے جشن طلائی کے  
مشاعرہ کے لئے کہے گئے۔ اس مشاعرے میں ہندوستان سے اردو  
کے بزرگ شاعر پنڈت مکوک چند محروم اور ان کے سہرنامہ شاعر  
پروفیسر جگن ناتھ آزاد شریک تھے۔

## شوہر فریادی

### کرلی شادی

قید	کڑی	اور	بے	معیادی
ختم	ہوا	سب	دھوم	دھڑکا
آدم	زاوہ	ہکا	ہکا	ہکا
سلب	ہوئی	ساری	آزادی	آزادی

### کرلی شادی

اکثر	تو	چپ	چپ	رہتا ہے
کہتا ہے	تو	یہ	کہتا ہے	ہے
بیوی	سے	شوہر	فریادی	فریادی

### افت سولا    افت ہادی

ہم روتے ہیں

(بنگال کے گورنر ”ہالی ڈے“ کے بارے میں)

جب ہالی ڈے آتا ہے  
تو چین ہمارا جاتا ہے  
جنگل میں منگل ہوتا ہے

کھیل تماشے

ڈھولک تاشے

کپ میں سب کچھ ہوتا ہے  
'ہالی ڈے' سوتا ہے

معتبرین

پہنے اپنی دسکی 'چین'  
آتے ہیں

پھولوں میں ہار پروتے ہیں  
وہ بنتے ہیں

ہم روتے ہیں

(بگ ہولڈن) 1853ء

## غروب آفتاب کے بعد

گیا میں اتھاٹا کل جو ایک تصویر خانے میں  
تو سربرہٹ ایمرسن مل گئے کل چار آنے میں  
وہی تصویر جو پہلے بہ حرمت کام آتی تھی  
پکھری میں، کلنڈر میں، شفا خانے میں، تھانے میں  
کہیں، مسروں موتی چور ایوانوں کی زینت تھی  
کہیں یہ لازمی تھی دفتروں کے دفترانے میں  
وہی اب ٹھک رہی تھی اک کہاڑی کے دریچے پر  
وہی اب بک رہی تھی اور بہ منت، چار آنے میں

(مری) 1948ء

سربرہٹ ایمرسن: صوبہ پنجاب کا ایک انگریز گورنر





سوز غم، جوش جنوں، عشق جہاں رہنے دیا  
یعنی دل میں اک نہ اک پچگیز خان رہنے دیا  
مدرسوں میں بند کر کے حلقہ ارباب فوق  
مظہنوں میں حلقہ باورچہاں رہنے دیا  
ایشیا کے مظہن بندوں کی یارب داد دے  
ایر کو ایر۔۔ آسماں کو آسماں رہنے دیا  
ایسی نازک پرورش، اتنی ملائم تربیت  
ہم نے شاہیں میں کیوتر بھی کہاں رہنے دیا  
اب وہ حسرت ہو کر حیرت ہو کر عبرت ہو ضمیر  
ہم وہیں رہنے لگے اسی نے جہاں رہنے دیا

1963ء

اودیس سے آنے والے بتا!

(شاعر وہان حضرت اختر شیرانی کی ایک مقبول نظم کی تقلید میں۔ ضمیر)

اودیس سے آنے والے بتا

کس حال میں ہیں یاران وطن!

کیا اب بھی وہی دوشنبے کوڑاٹن کے ذخیرے کھلتے ہیں

مٹی کے مرکب، گندم کیا سونے کے برابر ملتے ہیں

دو چٹکی چاول کی خاطر چھ چھ دن رلتے گھلتے ہیں

پتے، فضل الدینان وطن، موٹے، بدری ناٹھان وطن،

اودیس سے آنے والے بتا

کس حال میں ہیں یاران وطن!

کیا مہر پہ درتے خالوں میں ہیں نیوں کے گودام اب بھی

من میں ہے لو بھ کی چاہ وہی نورلوٹ کھوٹ ہے عام اب بھی!

لڑتا ہے کسانوں کی خاطر چھوٹا سا ”چھوٹو رام“ اب بھی!

اس جاٹ سے کیا دیتے ہیں ابھی وہ ”کالہ رخ لالان وطن“

اودیس سے آنے والے بتا

کس حال میں ہیں یاران وطن!

اب بھی جنگی مہنگائی سے مخلص خدا بے تاب سی ہے!

ہر کالی رات غریبوں کی، بے چھن سی ہے، بے خواب سی ہے!

تمباکوک بھی ناہید سا ہے اور ماچس بھی نایاب سی ہے!

اور حقہ پینا فرض وطن، ہاں دین وطن، ایمان وطن

اودیس سے آنے والے بتا

کس حال میں ہیں یاران وطن!  
کچھ گاؤں کی باتیں، کیا اب بھی منگلا پر بادل چھاتا ہے؟  
روہتاس میں بیساکھی رت میں میلا اب بھی بھر جاتا ہے؟  
بصرے اور سنگاپور سے پلٹنے والوں کا خط آتا ہے؟  
وہ کہیت میں رستم خان وطن اور گھر میں ”رستم جان وطن“؟

(شملہ) 1942ء

متحدہ پنجاب میں سر سکندر حیات کی کابینہ کے وزیر چودھری سر چھوٹو رام  
جو کسانوں کے ہمدرد تھے۔  
2۔ دہری جنگ مانگیر۔

## چوری کا مال

اک مرد مجروح کے گھر سے  
چوروں کے ہاتھ جو مال آیا  
اس مال کو دیکھ کے  
بیا ہے ہوؤں کو حال آیا  
رنگین، ہلاؤں، جاپانی  
مکے مکے ورقتے ورقتے  
کچھ شب جامے  
درے درے  
کچھ نیم شلو کے یونانی  
جن سے جھلکے گوری کا بدن  
آویزے فرشل ہال کلپ  
اودے اودے، دھانی دھانی  
اس مرد مجروح کے گھر سے  
ہر شے نکلی نامردانی

## ایک آرزو

کاش ان سے یوں ملاقاتیں کریں  
کلباتی ہیں جو دل میں صبح و شام  
کھول کر دل پیار کی باتیں کریں  
شب کی چلن صبح تک جاگی رہے

صبحوں کو

زلفوں کی چادر ڈال کر راتیں کریں

ہوں نہ اپنے درمیاں

یہ زمین و آسماں

کوئی شے باہر نہ ہو، اندر نہ ہو  
چپ رہے اس کی کھائی کی گھڑی  
اور دیواروں پر کیلاڈر نہ ہو

## گیلا چیک

ایک بینک میں ایک بیاہی عورت  
'چیک' لائی کیش کرانے کو

'چیک' گیا تھا

نم ویدہ - نیلا نیلا تھا

باپ نے جو اس کا سبب پوچھا

عورت بولی

مرے شوہر نے جب 'چیک' لکھا  
اس کی آنکھوں میں آنسو تھے

(انگریزی سے ماخوذ) - مسقط - 20 اگست 1983ء

The End-----شتم شد-----